حضرت شیخ سید محمود المعروف صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں میں تحکیم کے نظامِ عمل کا تحقیقی مطالعہ

A Research Study of the Operational Framework of Arbitration in the Land Disputes Resolved by Shaykh Sayed Maḥmūd, Sandal Bābājī

Mr. Allama Ikram Wali
PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies,
SBB University Sheringal, Dir Upper, KPK, Pakistan
Dr. Aftab Ahmad
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
SBB University Sheringal, Dir Upper, KPK, Pakistan

Abstract:
This research presents a scholarly study of the operational framework of arbitration (Taḥkīm) in the land-related decisions of Shaykh Sayed Maḥmood, Sundal Bābājī (رحمه الله). Under his supervision, the Dār al-Iftāʾ wa al-Qaḍāʾ served as an important forum for the resolution of diverse religious, social, and legal disputes. Although the fatwas issued by the institution, reconciliations facilitated between disputing parties, and cases resolved under his supervision were extensive, this study does not attempt to examine the entire body of such cases. Rather, it focuses specifically on the methodology, procedural structure, and practical mechanisms of arbitration adopted by Sandal Bābājī in resolving land disputes.
The study demonstrates that his approach to arbitration was not confined to traditional tribal Jirga or customary reconciliation. Instead, it reflected an integrated methodology incorporating elements of judicial adjudication (Qaḍāʾ), Islamic legal verdicts (Iftāʾ), arbitration (Taḥkīm), and reconciliation (Iṣlāḥ Dhāt al-Bayn). The principal stages of this process included hearing the dispute, examining the claims and responses of the parties, evaluating evidence and documentary records, carefully considering the positions of the disputants, recognizing legitimate custom and established rights, and reaching a decision in accordance with the principles of Islamic jurisprudence.
Against the background of Ḥanafī jurisprudence, where Taḥkīm is recognized as a legitimate means of dispute resolution subject to the competence of the arbitrator, the consent of the parties, and the limits of delegated authority, this research analyzes Sundal Bābājī's decisions as an applied model of Islamic arbitration. It argues that his methodology

extended beyond mere reconciliation and was fundamentally oriented toward establishing the truth, upholding Sharīʿah principles, protecting legitimate rights, and achieving a fair resolution of disputes. The study therefore concludes that his land-related decisions constitute a valuable practical and experiential source for understanding and documenting a locally rooted model of Islamic arbitration grounded in Ḥanafī legal principles.

Keywords: Taḥkīm (Arbitration); Operational Framework; Land Disputes; Claim (Daʿwā); Response to Claim (Jawāb al-Daʿwā); Judgment (Decision); Testimony (Shahādah); Evidence (Bayyinah); Admission (Iqrār); Ḥanafī Jurisprudence; Islamic Dispute Resolution; Sundal Bābājī.

خلاصہ:

حضرت سید محمود المعروف صندل باباجیؒ کے زیرِ نگرانی قائم دارالافتاءوالقضاء میں مختلف نوعیت کے شرعی و معاشرتی نزاعات کے تصفیے کا ایک وسیع اور منظم سلسلہ جاری رہا اگرچہ آپ کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے فتاویٰ، باہمی تنازعات میں کرائی گئی صلحیں اور آپ کی نگرانی میں حل ہونے والے معاملات ہزاروں تک پہنچتے ہیں، تاہم زیرِ نظر تحقیق میں اس وسیع ذخیرے کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ خصوصی طور پر آپ کے تحکیمی منہج اور عملی نظامِ کار کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

حضرت باباجیؒ کا تحکیمی طریقۂ کار محض روایتی جرگہ یا عرفی مصالحت تک محدود نہ تھا، بلکہ اس میں قضاء، افتاء، تحکیم اور اصلاحِ ذات البین کے عناصر علمی طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔ نزاع کی سماعت، فریقین کے دعوے و جوابات، شواہد و دستاویزات کی جانچ، فریقین کا مؤقف سننا، معتبر عرف و حقوق کی رعایت اور فقہی اصولوں کی روشنی میں تحقیق کے بعد فیصلہ صادر کرنا، ان کے تحکیمی نظام کے بنیادی مراحل تھے۔

فقہِ حنفی میں بھی تحکیم کو ایک معتبر شرعی طریقۂ تصفیہ تسلیم کیا گیا ہے اور حکم کی اہلیت، فریقین کی رضامندی اور اس کے دائرۂ اختیار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی فقہی پس منظر میں حضرت صندل باباجیؒ ایک تجربہ کار اور منجھے ہوئے قاضی و حکم تھے، جن کا تحکیمی منہج صلح کرانے تک محدود نہیں بلکہ تحقیقِ حق، رعایتِ شریعت اور منصفانہ تصفیۂ نزاع پر قائم تھا چنانچہ ان کے فیصلوں کا مطالعہ مقامی سطح پر اسلامی تحکیم کے ایک عملی، تجرباتی اور فقہی منہج کی تدوین کا اہم ذریعہ ہے۔[1]

مقدمہ: اسلامی شریعت میں انسانی حقوق کے تحفظ نزاعات کے خاتمے اور معاشرتی عدل کے قیام کے لیے قضاء و تحکیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، بالخصوص اراضی سے متعلق نزاعات محض دو افراد کے درمیان مالی اختلاف نہیں

ہوتے بلکہ ان کے ساتھ ملکیت، قبضہ، تصرف، حدود و تعیین، تقسیمِ اراضی، حقِ ارتفاق، راستہ، آبپاشی، وراثت، انتقالِ ملکیت اور دیگر متعدد شرعی و قانونی حقوق وابستہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ زمین کے تنازعے کا منصفانہ تصفیہ محض فریقین کے دعووں کو سن لینے سے مکمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ایک منظم قضائی و تحکیمی منہج، اصولِ دعویٰ، قواعدِ اثبات اور فیصلہ صادر کرنے کے شرعی ضوابط کا لحاظ ضروری ہے۔

اسلامی فقہ نے ایک طرف باقاعدہ قضاء کے ذریعے نزاعات کے تصفیے کا جامع نظام دیا ہے تو دوسری طرف فریقین کی رضامندی سے کسی اہل اور بااعتماد شخص کو حَکَم مقرر کر کے نزاع ختم کرنے کی گنجائش بھی فراہم کی ہے، تحکیم کی یہی خصوصیت اسے بالخصوص ان معاشروں میں نہایت مؤثر بناتی ہے جہاں مقامی سطح پر بااعتماد علماء، مشائخ، عمائدین اور اہلِ علم کے ذریعے نزاعات کا تصفیہ ایک معروف معاشرتی روایت ہو۔

حضرت صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کا مطالعہ بھی اسی تناظر میں خاص اہمیت رکھتا ہے، ان کے فیصلوں میں محض عرفی یا مقامی مصلحت کو بنیاد نہیں بنایا گیا بلکہ فریقین کے دعوے، جوابات، قبضہ و تصرف، شہادت، اقرار، دستاویزات، زمین کی تعیین، حدود، تقسیم اور دیگر متعلقہ امور کو شرعی اصولوں کی روشنی میں دیکھا گیا۔ اس اعتبار سے ان کے ارضی فیصلے مقامی سطح پر تحکیم کے ایک عملی فقہی منہج کی نمائندگی کرتے ہیں۔[2]

زیرِ نظر بحث میں حضرت باباجیؒ کے اسی منہج کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا، اس مقصد کے لیے دیوانی مقدمے کے بنیادی مراحل، عناصرِ دعویٰ، شرائطِ سماعت اور ذرائعِ اثبات کو اختصار کے ساتھ واضح کیا جائے گا، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اراضی کے نزاع میں ایک حَکَم کس طرح دعویٰ کو مرتب، نزاع کو متعین، ثبوت کو پرکھ اور بالآخر شرعی حکم صادر کرتا ہے، اس بحث میں قدیم فقہی اصولوں کو معاصر اراضی ریکارڈ اور قانونی طریقۂ کار کے ساتھ بھی مربوط کیا جائے گا۔

قضاء و تحکیم: اراضی نزاعات کا تصفیہ:

فقہی اعتبار سے نزاعات کی ایک بڑی قسم دیوانی یا حقوقی نزاعات پر مشتمل ہوتی ہے، ان میں کسی شخص کی ملکیت، مال، دین، قبضہ یا کسی دوسرے حق کا دوسرے شخص کے خلاف دعویٰ شامل ہوتا ہے، ارضی تنازعات اسی دائرے کا اہم حصہ ہیں۔

قدیم عدالتی نظام میں مقدمہ کا آغاز عموماً مدعی کے زبانی دعوے سے ہوتا تھا، قاضی پہلے مدعی اور مدعاعلیہ کی تعیین کرتا، پھر مدعاعلیہ سے جواب طلب کرتا۔ اگر وہ اقرار کرتا تو اقرار کی بنیاد پر فیصلہ کر دیا جاتا اور اگر انکار کرتا تو مدعی سے بینہ طلب کیا جاتا۔

کتب فقہ میں اس قضائی منہج کی وضاحت یوں کی گئی ہے :

إذا حضره خصمان، يقول: من المدعي منكما؟ فإذا ادعى، يقول لخصمه: ما تقول فيما ادعاه؟ فإن أقر، وطلب المدعي الحكم يحكم له، فإن قال: لي بينة. أمره بإحضارها، فإذا أحضرها سمعها ويحكم له بها إذا سأله". [3]

قاضی پہلے مدعی کی تعیین کرے، پھر مدعا علیہ سے جواب طلب کرے اگر وہ اقرار کرے تو اس کے اقرار کی بنیاد پر فیصلہ کرے اور اگر انکار کرے تو مدعی سے بینہ طلب کرے۔

یہ ترتیب آج بھی اپنے فقہی جوہر کے اعتبار سے قابلِ استفادہ ہے اگرچہ موجودہ دور میں عدالتی کارروائی زیادہ تر تحریری، دستاویزی اور باقاعدہ مراحل پر مشتمل ہے، لیکن اس کے بنیادی عناصر وہی ہیں : دعویٰ، جواب، تعیینِ نزاع، اثبات اور فیصلہ۔

حضرت صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کو اسی زاویے سے دیکھا جائے تو ان میں تحکیمی عمل کا ایک ایسا منظم طریقہ سامنے آتا ہے جس میں فریقین کے بیانات کو محض سماعت نہیں کیا جاتا بلکہ نزاع کی اصل حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[4]

جدید دور میں تحریری کارروائی کی ضرورت:

قدیم زمانے میں قاضی کی مجلس میں زبانی دعویٰ اور جواب کافی ہو سکتا تھا، لیکن موجودہ دور میں زمین کے معاملات انتہائی پیچیدہ ہو گئے ہیں، سرکاری ریکارڈ، رجسٹری، انتقال، فرد، کھیوٹ، کھتونی، خسرہ نمبر، نقشہ، پیمائش، حدود اور دیگر دستاویزات اراضی کی شناخت اور ملکیت کے اثبات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اس لیے معاصر تحکیمی نظام میں بھی مقدمے کی کارروائی کو تحریری شکل دینا نہایت مفید ہے، خصوصاً ارضی نزاعات میں درج ذیل امور کا تحریری ریکارڈ ہونا چاہیے:

فریقین کے نام اور مکمل تعارف، دعویٰ اور مطلوبہ حق، متنازع زمین کی مکمل تعیین، حدودِ اربعہ اور رقبہ، کھیوٹ، کھتونی اور خسرہ نمبر، ملکیتی و انتقالاتی ریکارڈ، قبضہ اور تصرف کی کیفیت، جوابِ دعویٰ، قائم شدہ تنقیحات، شہادت اور دیگر ثبوت و شواہد، حَکَم کے دلائل، حتمی حکم اور اس کی تنفیذ کا طریقہ۔

شیخ صندل باباجیؒ کی تحکیم کے نظام عمل میں صرف ایک غیر رسمی گفت و شنید نہیں بلکہ ایک باقاعدہ تحکیمی و قضائی عمل کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔[5]

دعویٰ: تحکیمی کارروائی کا نقطۂ آغاز: دعویٰ کے لغوی معنی طلب اور مطالبہ کے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں دعویٰ اس قول کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے کوئی شخص حاکم کے سامنے اپنے کسی حق کا مطالبہ کرتا ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:"وشرعًا: قول مقبول عند القاضي يقصد به طلب حق قبل غيره أو دفعه عن حق نفسه"[6]

اصطلاح میں دعویٰ ایسا قول ہے جو قاضی کے ہاں قابلِ قبول ہو اور جس سے کسی دوسرے شخص سے اپنا حق طلب کرنا یا اپنے حق میں اس کے تعرض کو دفع کرنا مقصود ہو۔

ایک اور تعبیر میں ہے:"وشرعًا: إخبار بحق للإنسان على غيره عند الحاكم".[7] دعویٰ یہ ہے کہ انسان حاکم کے سامنے دوسرے شخص کے ذمہ اپنے کسی حق کی خبر دے۔

اس لیے تحکیم میں دعویٰ جتنا واضح ہو گا، بعد کے مراحل اتنے ہی منظم ہوں گے۔

دیوانی مقدمے کے پانچ بنیادی مراحل اور تحکیم:

دیوانی مقدمات کو عملی اعتبار سے پانچ بنیادی مراحل میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) عرضی دعویٰ (۲) جوابِ دعویٰ (۳) امورِ تنقیح طلب (۴) شہادت و اثبات کے طرق (۵) فیصلہ۔

عرضیِ دعویٰ:

موجودہ نظام میں مدعی تحریری طور پر اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے، اراضی کے مقدمے میں سب سے اہم بات متدعویٰ بہ کی صحیح تعیین ہے اگر زمین متنازع ہو تو اس کی شناخت کے لیے حسبِ ضرورت: مقام، موضع، رقبہ، حدودِ اربعہ، کھیوٹ، کھتونی، خسرہ نمبر، نقشہ، سرکاری ریکارڈ، رجسٹری یا انتقال کا ذکر ضروری ہو گا۔

ضابطۂ دیوانی پاکستان کے Order VII Rule 3 میں بھی غیر منقولہ جائیداد کے بارے میں ایسی تفصیل دینے کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے جس سے متنازع جائیداد کی شناخت ہو سکے۔[8]

فقہ اسلامی میں بھی یہی اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ مدعا بہ معلوم اور متعین ہو۔

"المجلۃ" میں ہے:"يشترط أن يكون المدعى به معلومًا، ولا تصح الدعوى إذا كان مجهولًا".[9]

البتہ زمین کی تعیین کے لیے قدیم فقہ میں صرف حدود ہی واحد ذریعہ نہیں، اگر زمین ایسی معروف ہو کہ اس کی شناخت میں کوئی ابہام نہ ہو، یا جدید سرکاری ریکارڈ کے کسی مخصوص نمبر سے اس کی تعیین مکمل طور پر ہو سکتی ہو، تو وہ بھی شناخت کا معتبر ذریعہ بن سکتا ہے۔[10]

اراضی کی تعیین: حدود، رقبہ اور جدید ریکارڈ:

اراضی کے مقدمات میں ایک اہم عملی مسئلہ یہ ہے کہ زمین کی شناخت کس چیز سے ہو گی؟ فقہی اصول کے مطابق اصل مقصد یہ ہے کہ متنازع زمین دوسری زمینوں سے ممتاز ہو جائے، اس لیے اگر حدود صحیح اور واضح ہوں لیکن رقبے کے عدد میں معمولی کمی بیشی ہو تو صرف اس وجہ سے دعویٰ کو ناقابلِ سماعت قرار نہیں دیا جائے گا۔

"المجلة" میں ہے:"إذا أصاب المدعي في بيان الحدود، فخطؤه في ذرع العقار أو مقداره ودونماته بزيادة أو نقصان لا يمنع صحة الدعوى".[11]

اسی طرح اگر زمین اپنی شہرت کی وجہ سے ایسی معروف ہو کہ اس کی تعیین کے لیے تفصیلی حدود کی ضرورت نہ ہو تو بعض صورتوں میں حدود کا تفصیلی بیان ضروری نہیں رہتا۔[12]

جوابِ دعویٰ اور اصل نزاع کی تعیین:

حضرت باباجیؒ کے تحکیمی فیصلوں کے نظام عمل میں دعویٰ کے بعد دوسرا اہم مرحلہ جوابِ دعویٰ کا ہے، جواب دعوی میں مدعاعلیہ کا موقف واضح ہونا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون سا امر متفق علیہ ہے اور کون سا متنازع۔ مثلاً اگر مدعی کہتا ہے "یہ تین کنال زمین میری موروثی ملکیت ہے اور مدعاعلیہ نے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے" اور مدعاعلیہ جواب دیتا ہے "زمین موروثی نہیں بلکہ میں نے اسے فلاں شخص سے خرید کر قبضہ کیا ہے" تو یہاں اصل نزاع ملکیت اور اس کے ماخذ کا ہو گا۔ لیکن اگر مدعاعلیہ کہے " زمین واقعی مدعی کی ہے، مگر میرے پاس صرف بطورِ امانت تھی۔" تو ملکیت متنازع نہیں رہی، بلکہ قبضے کی نوعیت متنازع ہو گئی، اس لیے جوابِ دعویٰ کا اصل مقصد نزاع کو محدود کرنا ہے۔[13]

امورِ تنقیح طلب:

آپؒ کے فیصلوں میں تیسرا مرحلہ تنقیحات کا آتا ہے کیونکہ دعویٰ اور جواب کے بعد حَکَم کے لیے ضروری ہے کہ وہ فریقین کے درمیان اصل اختلاف کو متعین کرے، اسی کو امورِ تنقیح طلب کا تعین کہا جاتا ہے، تنقیحات کی دو بنیادی قسمیں ہیں:

ا۔ قانونی تنقیحات:

اس سے متعلق سوالات یوں ہو سکتے ہیں مثلاً: کیا مجلسِ تحکیم کو اس نزاع کی سماعت کا اختیار ہے؟ کیا فریقین نے اس شخص کو باقاعدہ حَکَم مقرر کیا ہے؟ کیا دعویٰ قابلِ سماعت ہے؟ کیا کوئی قانونی یا شرعی مانع موجود ہے؟

۲۔ واقعاتی تنقیحات: اس سے متعلق سوالات مثلاً: کیا متنازع زمین مدعی کی ملکیت ہے؟ کیا مدعا علیہ نے اس پر قبضہ کیا ہے؟ کیا فریقین زمین میں شریک ہیں؟ کیا مدعی کو راستے کا حق حاصل ہے؟ کیا متنازع زمین مشترکہ ملکیت میں شامل ہے؟ کیا زمین کی تقسیم سابقہ طور پر ہو چکی ہے؟

تنقیح کا فائدہ یہ ہے کہ مقدمہ غیر ضروری بحث سے محفوظ رہتا ہے اور شہادت بھی انہی امور تک محدود ہو جاتی ہے جن پر حقیقی نزاع قائم ہے۔

اگر مدعا علیہ نے کسی امر کا اقرار کر لیا تو اس امر کو مزید شہادت کا موضوع بنانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اقرار: فیصلے کے بنیادی ذرائع میں اقرار کو نہایت اہم مقام حاصل ہے، اقرار کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے خلاف دوسرے کے حق کو تسلیم کرے، فقہاء لکھتے ہیں: "الإقرار: هو إخبار الإنسان عن حق عليه لآخر"[14] اقرار یہ ہے کہ انسان اپنے ذمہ کسی دوسرے شخص کے حق کی خبر دے۔ اسی لیے اگر مدعا علیہ مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کر لے تو اصلاً مزید بینہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

چنانچہ اصول یہ ہے کہ: "إذا أقر المدعى عليه ألزمه الحاكم بإقراره لأن الإقرار حجة ملزمة".[15] مدعا علیہ کے اقرار کی صورت میں حاکم اسے اس کے اقرار کا پابند کرے گا، کیونکہ اقرار لازم حجت ہے۔

ایسی صورت میں حَکَم کا کام غیر ضروری شہادت طلب کر کے معاملے کو طول دینا نہیں، بلکہ معتبر اقرار کی شرعی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا ہے۔

بینہ اور شہادت:

اگر مدعا علیہ انکار کرے تو دعویٰ کے اثبات کا مرحلہ آتا ہے، یہاں بنیادی اصول یہ ہے کہ مدعی پر دلیل اور منکر پر قسم کا اصول مقدم ہے، اراضی کے مقدمات میں شہادت کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ زمین کی ملکیت، قبضہ، خرید، ہبہ، تقسیم، وراثت، حدود اور راستے جیسے امور بعض اوقات براہِ راست دستاویزات سے ثابت نہیں ہوتے بلکہ ان کے بارے میں لوگوں کی گواہی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

شہادت کی شرعی تعریف میں قاضی کی مجلس میں حق کے اثبات کے لیے معتبر خبر دینا شامل ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الشهادة لغة: إخبار قاطع، وفي عرف أهل الشرع: إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي".[16]

یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ہر خبر شرعی شہادت نہیں ہوتی، شہادت کے لیے مخصوص شرائط، طریقۂ اداء اور قضائی محل کا اعتبار ضروری ہے۔

تحملِ شہادت اور اداءِ شہادت:

شہادت کے عمل کو فقہائے احناف نے دو مرحلوں میں تقسیم کیا ہے: تحملِ شہادت اور اداءِ شہادت۔

تحمل سے مراد کسی واقعے کو اس طرح دیکھنا، سننا اور محفوظ کرنا ہے کہ بعد میں اس کے بارے میں صحیح گواہی دی جاسکے۔

اس کی بنیادی شرائط میں: عقل، صحیح ادراک، متعلقہ واقعے کا مشاہدہ یا سماع شامل ہیں۔

چنانچہ فقہ الاسلامی میں ہے:"تحمل الشهادة عبارة عن فهم الحادثة وضبطها بالمعاينة أو بالسماع". [17]

تحملِ شہادت کے وقت بلوغ، اسلام، حریت اور عدالت شرط نہیں تاہم اداءِ شہادت کے وقت ان شرائط کا اعتبار کیا جاتا ہے۔[18]

شہادت کے اہم اوصاف:

عدالت اور عدمِ تہمت، شہادت کی قبولیت کے لیے گواہ کا عادل ہونا بنیادی شرط ہے، عدالت سے مراد ایسا دینی و اخلاقی کردار ہے جس میں انسان کبائر سے اجتناب کرے، صغائر پر اصرار نہ کرے اور مجموعی طور پر اس کی اصلاح غالب ہو۔

بدائع الصنائع میں ہے:"من يجتنب الكبائر، وأدى الفرائض، وغلبت حسناته سيئاته فهو عدل"[19]

اسی طرح گواہ میں عدمِ تہمت بھی ضروری ہے، یعنی اس کی شہادت میں ذاتی مفاد یا کسی ضرر کے دفع ہونے کا ایسا پہلو نہ ہو جو اس کی غیر جانب داری کو مشتبہ بنادے۔"يشترط أن لا يكون في الشهادة دفع مغرم أو جرم مغنم" [20]

قسم اور نکول: شہادت نہ ہونے کی صورت میں متبادل ذرائع:

اگر مدعی کے پاس شرعی بینہ موجود نہ ہو تو یمین کا مرحلہ آتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمے میں مدعی سے فرمایا:"ألك بينة؟"جب اس نے بینہ نہ ہونے کا بتایا تو فرمایا:"فلك يمينه". پھر تمہیں مدعا علیہ کی قسم کا حق ہے، اس سے فقہی اصول واضح ہوتا ہے کہ ہر دعویٰ لازماً شہادت کے ذریعے ہی ختم نہیں ہوتا۔ بعض حالات میں مدعا علیہ سے قسم طلب کی جاتی ہے۔ اگر مدعا علیہ قسم سے انکار کرے تو اسے نکول عن الیمین کہا جاتا ہے۔ احناف کے ہاں مخصوص شرائط کے ساتھ نکول کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے:"إذا نكل المدعى عليه عن اليمين حكم الحاكم بنكوله". [21]

حَکَم کے لیے ضروری ہے کہ نکول کے شرعی اثرات اور اس کے بعد فیصلہ صادر کرنے کی حدود کو اچھی طرح ملحوظ رکھے۔

فیصلے کے مستندات:

فیصلے کے بنیادی مستندات چار بیان کیے گئے ہیں:

"مستندات الحكم أربعة: البينة والإقرار والنكول واليمين".[22] بینہ، اقرار، نکول، یمین۔ البتہ فقہی ذخیرے میں طرقِ قضاء کا دائرہ اس سے وسیع بھی بیان ہوا ہے۔ "الأشباہ والنظائر" میں سات ذرائع کا ذکر منقول ہے: "وعَدَّها في الأشباه سبعًا، هذه الأربعة، والقسامة وعلم القاضي على المرجوح والسابع قرينة قاطعة".[23]

قبضہ اور ظاہر حالت کی فقہی اہمیت:

اراضی کے مقدمات میں قبضہ ایک نہایت اہم عنصر ہے، فقہاء نے مدعی اور مدعا علیہ کے فرق کے ضمن میں ایک اصول یہ بیان کیا ہے:

"المدعي من لا يستحق إلا بحجة كالخارج، والمدعى عليه من يستحق بقوله من غير حجة كصاحب اليد وقيل: المدعي من يلتمس خلاف الظاهر، والمدعى عليه من يتمسك بالظاهر".[24]

مدعی عموماً وہ ہے جو خلافِ ظاہر حق کا دعویٰ کرتا ہے، جبکہ مدعا علیہ وہ ہے جو ظاہر حالت سے تمسک کرتا ہے۔ اراضی کے نزاع میں اگر ایک شخص طویل عرصے سے زمین پر قابض اور متصرف ہے اور دوسرا شخص اس کے خلاف ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے تو محض قبضہ کی موجودگی سے ملکیت کا حتمی فیصلہ نہیں ہوگا، لیکن قبضہ ایک اہم قرینہ اور ظاہر حالت ضرور ہے جسے حَکَم نظر انداز نہیں کر سکتا۔

اس لیے ارضی فیصلہ میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ: قبضہ کس کے پاس ہے؟ قبضہ کب سے ہے؟ قبضہ کس بنیاد پر ہے؟ قبضہ کے خلاف کبھی اعتراض ہوا یا نہیں؟ سرکاری ریکارڈ کس کے نام ہے؟ قبضہ اور دستاویز میں مطابقت ہے یا نہیں؟ کیا سابقہ تقسیم یا انتقال موجود ہے؟ کیا قبضہ محض امانت، اجارہ یا اجازت کی بنیاد پر تھا؟ یہ تمام امور مجموعی طور پر حق کی تعیین میں معاون ہو سکتے ہیں۔

اراضی تنازعات میں تحکیم کا عملی منہج:

حضرت صندل باباجیؒ نے ارضی فیصلوں میں تحکیمی کارروائی کو درج ذیل عملی ترتیب سے مرتب کیا ہے:

پہلا مرحلہ: فریقین کی تعیین:

سب سے پہلے یہ طے کیا جائے کہ مدعی کون ہے؟ مدعا علیہ کون ہے؟ ان کی قانونی و شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ خود مقدمہ پیش کر رہے ہیں یا وکیل / نمائندہ کے ذریعے؟

دوسرا مرحلہ: متنازع زمین کی تعیین:

زمین کے بارے میں: موضع، رقبہ، حدود، خسرہ نمبر، نقشہ، موجودہ قبضہ کی مکمل تعیین کی جائے۔

تیسرا مرحلہ: دعویٰ:

مدعی سے واضح طور پر پوچھا جائے کہ وہ کیا حق چاہتا ہے: ملکیت، قبضہ، تقسیم، راستہ، حدود، قیمت، کرایہ، وراثت یا کوئی اور حق؟

چوتھا مرحلہ: جواب دعوی:

مدعاعلیہ سے دعویٰ کے ہر بنیادی جزو کا جواب لیا جائے۔

پانچواں مرحلہ: تنقیح:

فریقین کے متفقہ اور متنازع امور الگ کیے جائیں اور اصل فیصلہ طلب سوالات متعین کیے جائیں۔

چھٹا مرحلہ: ثبوت:

ہر فریق سے اس کے دعویٰ یا دفاع کے مطابق شہادت، اقرار، دستاویز، قسم، قرینہ، قبضہ، سرکاری ریکارڈ وغیرہ پیش کرنے کو کہا جائے۔

ساتواں مرحلہ: تحقیق:

موقع کا معائنہ، زمین کی پیمائش، حدود کی تعیین، سرکاری ریکارڈ کی پڑتال، گواہوں کے حالات کی تحقیق کی جائے۔

آٹھواں مرحلہ: شرعی تجزیہ:

تمام ثبوت کو فقہی اصولوں کے مطابق پرکھا جائے اور ہر دلیل کی حجیت متعین کی جائے۔

نواں مرحلہ: فیصلہ شرعیہ:

ہر تنقیح کا الگ جواب دیا جائے اور آخر میں واضح حکم صادر کیا جائے۔

دسواں مرحلہ: دستخط و توثیق:

حَکَم اور متعلقہ فریقین کے دستخط، تاریخ اور حسبِ ضرورت گواہان کی توثیق۔[25]

اسی طریقے سے آپ کے تمام فیصلے شرعی اصولوں کے مطابق نتیجہ تک پہنچائے گئے ہیں۔

صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کا امتیازی منہج: صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک امتیازی پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ ان کے ہاں زمین کے نزاع کو عرفی یا شخصی اثر ورسوخ کی بنیاد پر حل کرنے کے بجائے

حقائق، شواہد اور شرعی اصولوں کے ذریعے حل کیا جاتا تھا،ان کے فیصلوں کی تدوین سے درج ذیل بنیادی منہجی خصوصیات سامنے آتی ہیں:

- ✓ فریقین کے دعوے پر اکتفا کرنے کے بجائے اصل تنازع کی تعیین۔
- ✓ فریقین کو مکمل سماعت کا موقع کہ مدعی کا دعویٰ اور مدعاعلیہ کا جواب دونوں کو ملحوظ رکھنا۔
- ✓ قبضہ و تصرف کی رعایت کرنا یعنی زمین پر موجود عملی صورتِ حال کو نظر انداز نہ کرنا۔
- ✓ شہادت اور ثبوت کی تحقیق کرنا ایسا کہ گواہوں کے بیانات کو محض تعداد سے نہیں بلکہ شرعی معیار سے پرکھنا۔
- ✓ زمین کی تعیین کرنا کہ متنازع زمین کو حدود، رقبہ اور دستیاب ریکارڈ سے متعین کرنا۔
- ✓ فقہی اصولوں سے استناد یعنی فیصلے کو محض ذاتی رائے کے بجائے فقہی قواعد اور معتبر کتب کی بنیاد پر مرتب کرنا۔
- ✓ نزاع کا حتمی خاتمہ کرنا کہ فیصلہ اس طرح ہو کہ فریقین کے درمیان آئندہ نزاع کی گنجائش کم سے کم رہ جائے۔

اور یہ خصوصیات کسی بھی مؤثر تحکیمی نظام عمل کی اصل روح ہیں۔[26]

تحکیم کی افادیت اور حضرت صندل باباجیؒ کے فیصلوں کی علمی اہمیت:

زمین کے تنازعات اکثر طویل عدالتی مقدمات، اخراجات، باہمی دشمنی اور خاندانی تقسیم کا سبب بنتے ہیں، اس پس منظر میں شرعی اصولوں کے مطابق قائم کیا گیا تحکیمی نظام نزاع کے جلد، کم خرچ اور باہمی احترام کے ساتھ خاتمے کا مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔

خاص طور پر جب حَکَم، علمی اعتبار سے معتبر ہو، فریقین کے نزدیک قابلِ اعتماد ہو، فقہی اصولوں سے واقف ہو، مقامی حالات اور عرف کو سمجھتا ہو، ثبوت کی جانچ کر سکتا ہو، کسی فریق کی طرف داری سے محفوظ ہو، تو تحکیم معاشرتی امن کا مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے۔

حضرت صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کی اہمیت بھی اسی منہج سے ہے کہ ان میں مقامی معاشرتی حقیقت اور شرعی فقہی اصول کے درمیان ایک عملی مناسبت دکھائی دیتا ہے، ان فیصلوں کو تاریخی واقعات کے طور پر نہیں بلکہ ان کے اندر موجود قضائی منہج، فقہی اصول، ثبوت کے معیار، عرف کی رعایت اور فیصلہ سازی کے طریقے سے دیکھنا ہو گا تاکہ اس کا فائدہ علمی حلقوں میں حکم و قضاۃ و اہل فتویٰ کے لئے عام ہو۔

نتائج تحقیق:

حضرت شیخ سید محمود المعروف صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کے فقہی و قضائی مطالعے سے درج ذیل اہم نتائج سامنے آتے ہیں:

1. صندل باباجیؒ کا تحکیمی منہج صرف روایتی جرگہ یا عرفی مصالحت نہیں تھا بلکہ تحکیم اور اصلاحِ ذات البین کا ایک عملی نظام تھا۔
2. آپ کے ہاں اصل مقصود محض نزاع ختم کرنا نہیں بلکہ حق کا تعین اور شرعی بنیاد پر منصفانہ تصفیہ تھا اسی لیے فریقین کے بیانات، حالات، حقوق، شواہد اور فقہی اصولوں کو باہم مربوط کر کے فیصلہ کیا جاتا تھا۔
3. تحکیمی کارروائی ایک منظم قضائی ترتیب کے ساتھ آگے بڑھتی تھی جس میں فریقین کی تعیین، دعویٰ، جوابِ دعویٰ، تنقیحِ نزاع، اثبات، تحقیق، فقہی تطبیق اور فیصلہ بنیادی مراحل کی حیثیت رکھتے تھے۔
4. دعویٰ اور جوابِ دعویٰ کے ذریعے اصل نزاع کی تعیین کو بنیادی اہمیت حاصل تھی کیونکہ متفق علیہ امور کو متنازع امور سے الگ کر کے فیصلہ طلب مسائل کو واضح کرنا مقدمے کو غیر ضروری طوالت سے محفوظ رکھتا ہے۔
5. اراضی کے مقدمات میں متنازع زمین کی تعیین بنیادی شرط اور عملی ضرورت ہے۔ حدود، رقبہ، مقام، خسرہ نمبر، نقشہ، سابقہ تقسیم اور دستیاب اراضی ریکارڈ کو حالات کے مطابق استعمال کر کے محلِ نزاع کو متعین کرنا ضروری ہے۔
6. قبضہ و تصرف کو محض ملکیت کا قطعی ثبوت نہیں بلکہ اہم فقہی قرینہ سمجھا گیا، اس لیے قبضہ کی نوعیت، مدت، بنیاد اور اس کے ساتھ موجود دستاویزات و دیگر شواہد کو مجموعی طور پر پرکھنا چاہیے۔
7. اثبات کے مختلف شرعی ذرائع کو باہم مربوط انداز میں استعمال کرنا تحکیمی منہج کا اہم حصہ ہے۔ اقرار، بینہ، شہادت، یمین، نکول، دستاویزات، قرائن اور قبضہ ہر ایک اپنی شرعی حیثیت اور محل کے مطابق مؤثر ہوتا ہے۔
8. شہادت کے باب میں معیار محض گواہوں کی تعداد نہیں بلکہ شرعی اہلیت اور صدق و عدالت ہے، اس لیے تحمل و اداءِ شہادت، عدالت، عدمِ تہمت اور شہادت کی متعلقہ حیثیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔
9. مروجہ ارضی نزاعات میں فقہی اصولوں کو جدید اراضی ریکارڈ سے مربوط کرنا ناگزیر ہے۔ رجسٹری، انتقال، فرد، کھیوٹ، کھتونی، خسرہ، نقشہ اور دیگر سرکاری ریکارڈز زمین کی تعیین اور دعوے کی تحقیق میں اہم معاون ذرائع ہیں، تاہم ان کا جائزہ شرعی اصولِ اثبات اور مجموعۂ قرائن کی روشنی میں ہونا چاہیے۔
10. معتبر عرف کو حضرت باباجیؒ کے منہج میں مناسب شرعی حیثیت حاصل تھی، لیکن عرف کو شریعت کے مستقل متبادل کے طور پر نہیں بلکہ وہاں معتبر قرینہ اور معاون اصول کے طور پر برتا گیا جہاں وہ شرعی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔
11. فریقین کو مکمل سماعت کا موقع دینا منصفانہ تحکیم کا بنیادی تقاضا ہے، یک طرفہ بیان، محض ظاہری قبضہ یا کسی ایک دستاویز کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کے بجائے تمام متعلقہ شواہد اور فریقین کے مؤقف کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

12. حَکَم کے لیے فقہی اہلیت کے ساتھ قضائی بصیرت بھی ضروری ہے کیونکہ ارضی نزاعات میں صرف فقہی مسئلہ جاننا کافی نہیں بلکہ حقائق کی تحقیق دستاویزات کی جانچ، زمین کی تعیین، گواہوں کے بیانات اور مقامی حالات کو سمجھنے کی صلاحیت بھی مطلوب ہے۔

13. حضرت صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں میں فقہ کے نظری اصولوں کا عملی انطباق نمایاں ہے،یہی وجہ ہے کہ ان فیصلوں کو فقہی قواعد کے عملی نفاذ اور مقامی نزاعات کے شرعی تصفیے کے ایک تجرباتی نمونے کے طور پر دیکھا جاسکتاہے۔

14. آپ کے تحکیمی منہج میں صلح اور فیصلہ دونوں کے درمیان ایک متوازن تعلق پایا جاتا ہے،جہاں رضامندی سے صلح ممکن ہو وہاں اصلاحِ ذات البین کو اہمیت دی گئی،اور جہاں حق کے تعین کے لیے فیصلہ ضروری ہو وہاں شرعی ثبوت کی بنیاد پر حکم صادر کیا گیا۔

15. تحکیم کی مؤثریت کا انحصار حکم کی شخصی و علمی اہلیت، فریقین کے اعتماد اوراختیار کی حدود پر ہے فقہِ حنفی میں بھی حکم کو فریقین کے درمیان قاضی کے قائم مقام قرار دیا گیاہے اور اس کے اختیار کے اندر صادر ہونے والے حکم کو لازم قرار دیا گیاہے۔

16. حضرت صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کا امتیاز علمِ فقہ اور عملی تجربے کے امتزاج میں ہے، آپ نے مقامی معاشرتی حقائق کو فقہی اصولوں سے مربوط کرکے نزاعات کے تصفیے کی عملی صورت پیدا کی۔

17. ان فیصلوں کی علمی اہمیت صرف تاریخی ریکارڈ تک محدود نہیں بلکہ ان میں دعویٰ، اثبات، قبضہ، ملکیت، تقسیم، حدود، عرف، شہادت اور فیصلہ سازی کے ایسے عملی اصول موجود ہیں جن سے معاصر علماء، مفتیان، قضاۃ اور حکماء استفادہ کرسکتے ہیں۔

18. یہ تحقیق اس نتیجے تک پہنچتی ہے کہ حضرت صندل باباجیؒ کا ارضی تحکیمی منہج ایک قابلِ تدوین فقہی و قضائی ورثہ ہے جس کی باقاعدہ فقہی تخریج، مصادر و مراجع کے ساتھ تدوین اور معاصر قانونی تناظر میں توضیح نہ صرف ان کی علمی خدمات کو محفوظ کرے گی بلکہ مقامی سطح پر شرعی تحکیم کے مؤثر نظام کی تشکیل میں بھی معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

تجاویز و سفارشات:

1. حضرت صندل باباجیؒ کے تحکیمی فیصلوں کو فقہی تخریج اور موضوعاتی ترتیب کے ساتھ باقاعدہ محفوظ و مدون کیا جائے۔

2. ارضی نزاعات کے لیے ایسے اہل اور تجربہ کار حکماء مقرر کیے جائیں جو فقہِ معاملات و قضاء کے ساتھ جدید اراضی ریکارڈ اور متعلقہ قوانین سے بھی واقف ہوں۔

3. تحکیمی کارروائی میں دعویٰ، جواب، تنقیح، ثبوت، فیصلہ کا باقاعدہ تحریری ریکارڈ رکھا جائے، تاکہ فیصلہ واضح اور قابلِ عمل ہو۔

4. شرعی تحکیم کو معتبر عرف، جدید اراضی ریکارڈ اور معاصر قانونی تقاضوں سے مربوط کیا جائے، تاہم بنیادی رہنمائی شرعی اصولوں ہی سے حاصل کی جائے۔

5. علماء، مفتیان، قضاۃ اور حکماء کے لیے قضاء و تحکیم اور جدید قانونِ اراضی سے متعلق تربیتی پروگرامز کا اہتمام کیا جائے۔

6. حضرت صندل باباجیؒ کے تحکیمی منہج پر مزید تقابلی اور تطبیقی تحقیقات کی جائیں، تاکہ اس علمی و قضائی ورثے سے عصرِ حاضر میں مؤثر استفادہ کیا جاسکے۔

خاتمہ:

اسلامی فقہ نے نزاعات کے حل کے لیے جو قضائی و تحکیمی منہج پیش کیا ہے، وہ محض نظری اصولوں کا مجموعہ نہیں بلکہ عملی زندگی کے مختلف تنازعات کے تصفیے کی جامع بنیاد فراہم کرتا ہے، ارضی نزاعات میں اس کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے، اس لیے ایک مؤثر تحکیمی عمل کے لیے ضروری ہے کہ حَکَم سب سے پہلے فریقین کی تعیین کرے، پھر دعویٰ اور جواب کو مرتب کرے، اس کے بعد اصل متنازع امور کو تنقیح کی صورت میں متعین کرے، پھر ہر امر کے ثبوت کا شرعی معیار مقرر کرے اور آخر میں تمام دلائل کو فقہی اصولوں کی روشنی میں پرکھ کر واضح، مدلل اور قابلِ عمل فیصلہ صادر کرے۔

اسی طرح جدید دور میں زمین کی شناخت کے لیے قدیم فقہی اصولوں کو جدید اراضی ریکارڈ کے ساتھ منسلک کرنا ضروری ہے، تاہم ان سب کو شرعی اصولِ اثبات اور مقدمے کے مجموعی حالات کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

حضرت صندل باباجیؒ کے ارضی فیصلوں کا علمی مطالعہ اسی لیے قابلِ قدر ہے کہ ان کے ذریعے مقامی سطح پر نافذ ہونے والے ایک تحکیمی منہج کو فقہی اصولوں کی روشنی میں سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ ان فیصلوں کو اگر باقاعدہ علمی ترتیب، فقہی تخریج، مصادر و مراجع اور معاصر قانونی تناظر کے ساتھ مرتب کیا جائے تو یہ نہ صرف ایک زیرک قاضی و حکم کے علمی و اصلاحی کارنامے کا محفوظ ریکارڈ بن سکتے ہیں بلکہ علماء، مفتیانِ کرام، قضاۃ، حکماء اور اراضی نزاعات سے وابستہ افراد کے لیے عملی رہنمائی کا ذریعہ بھی ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ آپ کے فیصلوں میں بار بار یہ تعلیم ملے گی کہ تحکیم کی کامیابی صرف اس بات میں نہیں کہ نزاع ختم ہوجائے، بلکہ اصل کامیابی یہ ہے کہ نزاع شرعی اصول کے مطابق ختم ہو، فریقین کے حقوق واضح ہوں، فیصلہ قابلِ فہم و قابلِ عمل ہو اور آئندہ اختلاف کے دروازے حتی الامکان بند ہوجائیں۔

حواشی

[1]۔ صندلي، شیخ سید محمود المعروف صندل باباجي، معین القضاة، مقدمہ، ص۱۵، دارالافتاء جامعہ دارالعلوم محمودیہ، غیر مطبوعہ.

[2] ۔ معین القضاة، غیر مطبوعة، حوالہ درجہ بالا

[3]۔ الدمشقي، جمال الدین یوسف بن الحسن . مغني ذوي الأفهام عن الکتب الکثیرة في الأحکام، ص230، مکتبة شرکة المدینة للطباعة والنشر 1388ھ

[4]۔ معین القضاة، مقدمہ، ص۱۸

[5]۔ حوالہ سابقہ

[6]۔ الحصکفي، محمد بن علي . الدر المختار شرح تنویر الأبصار ج3ص396، بیروت: دار الفکر۔

[7]. الزحیلي، وھبة . الفقه الإسلامي وأدلته، ج6ص 511 . دمشق: دار الفکر۔

[8] . ضابطہ دیوانی پاکستان، آرڈر7 قاعدہ3

[9]. مجلة الأحکام العدلیة، کراتشي: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، بدون تاریخ، مادة:1619

[10]. المجلة، المادة:1624

[11]. المجلة، مادة:1624

[12]. المجلة، مادة:1625

[13] . معین القضاة، سجلات فیصلہ جات اراضیات، غیر مطبوعہ، دارالافتاء جامعہ درالعلوم محمودیہ صندل

[14]۔ نور الدین أبو الحسن علي بن سلطان محمد الهروي، فتح باب العنایة بشرح النُّقایة، ج3 ص152، دار الارقم بیروت، الطبعة: الأولی، 1418ھ۔

[15]۔ شرح المجلة لسلیم رستم باز۱۱۷۷، المادة ۱۸۱۷

[16]. ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد . فتح القدیر، ج٦ص ٢، بیروت: دار الفکر۔

[17]۔ الفقه الإسلامي وأدلته ج٦ص ٥٨٨

[18]۔ الفتاوی الھندیة ج٣ص 450 بیروت: دار الفکر۔

[19]. الکاساني، علاء الدین أبو بکر بن مسعود . بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، ج٦ص268، بیروت: دار الکتب العلمیة۔

[20]. المجلة، مادة:700

[21]. المجلة، مادة:1819

[22]. مغني ذوي الأفهام، ص240

[23]. الاتاسي، شرح المجلہ لخالد الاتاسي، ج٦ص ١١٠ بحوالہ در مختار

[24]۔ شرح المجلة، خالد الاتاسی، ج5ص5

[25] ۔ معین القضاة، غیر مطبوعہ، متعدد ارضی فیصلوں سے اخذ شدہ نکات

[26]. حوالہ درجہ بالا